بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

☆

نظرات

ماہنامہ "طلوعِ اسلام" نے اپنے اپریل ۱۹۶۸ء کے شمارے میں اور اس سے پہلے نومبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں دستورِ پاکستان میں قانون سازی کے سلسلے میں کتاب یعنی قرآن مجید اور اس کے ساتھ سنت کا جو ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں چند سوالات اٹھائے ہیں۔ اور اس کے خیال میں اس کی وجہ سے قانون سازی میں جو دقتیں پیش آرہی ہیں، ان پر بحث کی ہے۔ "طلوعِ اسلام" نے نومبر کے شمارے میں اس مسئلے پر گفت گو کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ ۔ ۔ ۔ "آئینِ پاکستان میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ملک کے قوانین کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوں گے۔ کتاب (قرآن کریم) تو بہر حال ایک متعین کتاب ہے۔ اس لئے اس کا طے کرنا مشکل نہیں کہ کوئی قانون، قرآن کے خلاف ہے یا نہیں۔ لیکن "سنت" کی اصطلاح ایسی ہے، جس کا آج تک کوئی متفق علیہ مفہوم ہی متعین نہیں ہو سکا! اور نہ ہی یہ طے پا سکا ہے کہ متفق علیہ سنت کس کتاب میں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر فرقہ اپنے ہر عمل کو عین مطابق سنت قرار دیتا ہے اور دوسرا فرقہ اسی عمل کو خلافِ اسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"طلوعِ اسلام" کے اپریل کے شمارے میں "کتاب و سنت" کے اسی مسئلے پر زیادہ تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی اور مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم سابق صدر جمعیت اہل حدیث کے اقتباسات دے کر بتایا گیا ہے کہ جہاں آخر الذکر بزرگ کے نزدیک "سنت اور حدیث مترادف الفاظ ہیں، یعنی حدیث ہی کو سنت کہا جاتا ہے۔" وہاں مولانا مودودی سنت کے دوسرے معنی لیتے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ شرائع الٰہیہ اس غرض کے لئے نہیں آیا کرتیں کہ کسی خاص شخص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر

کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنا دیں۔ اسے مولانا مودودی منجملہ بدعات کے قرار دیتے ہیں۔ مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم نے ان نظریات کو تمام ائمہ اہل حدیث کے خلاف بتایا۔ اور لکھا کہ ان میں آج کے جدید اعتزال اور تجہم کے جراثیم مخفی ہیں۔

اسی سلسلے میں" طلوع اسلام" نے یہ بھی لکھا ہے کہ" شیعہ حضرات کے احادیث کے مجموعے الگ ہیں اور فقہ کے قوانین الگ۔ وہ سنت، حدیث یا فقہ کے متعلق سنّی حضرات کے کسی فیصلے کے متبع نہیں ہو سکتے۔" نیز آج مسلمانوں میں جو مختلف فرقے ہیں، ماہنامہ مذکور میں ان کے بارے میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ "جہاں تک فرقوں کے وجود کا تعلق ہے، قرآن کریم بہ نص صریح اسے شرک قرار دیتا ہے۔ اور یہ کہ دین میں فرقوں کا وجود، خدا کے نزدیک شرک ہے اور اس کے رسول کا اُن سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔"

یہ لکھنے کے بعد" طلوع اسلام" نے مطالبہ کیا ہے کہ دستور پاکستان میں یہ تو لکھ دیا گیا ہے کہ ملک کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہو گا۔ لیکن اس میں نہ کہیں" سنت" کی تعریف (DEFNITOIN) دی گئی ہے نہ اس کی تصریح کی گئی کہ یہ سنت ملے گی کہاں ؟ ایک تو دستور پاکستان کی اس بنیادی شق کی وضاحت ہونی چاہیئے۔ اور دوسرے سنت کا ایک متفق علیہ مفہوم متعین کیا جائے۔

"طلوع اسلام" نے جو یہ سوالات اٹھائے ہیں، آئندہ سطور میں ہم ان کے بارے میں کچھ عرض کرینگے سب سے پہلے ہم" طلوع اسلام" کے اس بیان کو لیتے ہیں، جسے وہ بار بار دہراتا رہتا ہے کہ " قرآن کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ یہ ایک متعین و معروف کتاب ہے، جس کا ایک ایک لفظ تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے۔ اس کی کسی سورت یا آیت کے متعلق تو ایک طرف، اس کے کسی ایک لفظ کے متعلق بھی یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ یہ قرآن میں ہے یا نہیں۔" بے شک جہاں تک قرآن کے متن کا تعلق ہے، ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہے، لیکن اس متن کی تشریح و تعبیر میں شروع سے اختلاف رہا ہے۔ اسی لئے ہر عہد میں قرآن کی لاتعداد تفسیریں لکھی گئیں۔ اور خود صاحب طلوع اسلام کو نہ صرف قرآن کی اپنی تفسیر کرنی پڑی، بلکہ وہ مجبور ہوئے کہ اپنی کتاب" لغات القرآن" کی تین جلدوں میں قرآن کے الفاظ کے نئے معانی اور مفہوم متعین کریں۔

پھر یہ جو گزشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں میں بے شمار فرقے پیدا ہوئے، اگرچہ ان کے وجود میں

آنے کے بہت سے تاریخی، سیاسی اور فکری اسباب تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے قرآن ہی کو مدار علیہ بنایا۔ اور اپنے معتقدات کی تائید قرآن ہی سے چاہی۔ چنانچہ اس کے لئے انھوں نے قرآن کی اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے مطابق تفسیریں کیں۔ اور ان پر اپنی اپنی فقہ اور حدیث و سنت کی بنیاد رکھی۔ اس لئے "طلوع اسلام" کا یہ دعویٰ کہ چونکہ دستور پاکستان کی ایک دفعہ میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ "مملکت کا کوئی قانون، کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوگا" اور کتاب متعین و معروف ہے اور سنت غیر متعین، اس لئے ہر نئے قانون پر بحثیں انفرادی طور پر چلتی رہتی ہیں اور ملک خلفشار کی نذر ہوتا رہتا ہے"۔ صحیح نہیں۔ بحثوں اور مجادلوں کے اپنے اسباب ہوتے ہیں۔ اور خلفشار کی سوتیں، کسی دفعہ کے چند الفاظ سے نہیں، بلکہ ٹھوس تاریخی، سیاسی اور اجتماعی عوامل اور ان سے پیدا ہونے والے تہذیبی و ذہنی محرکات سے پھوٹا کرتی ہیں۔

ہم فرض کر لیتے ہیں کہ "طلوع اسلام" کی تعمیل ارشاد کرتے ہوئے اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامی نے "سنت" کی وضاحت کر دی، تو آخر اس وضاحت کو پاکستان کی غالب اکثریت سے تسلیم کرانے کی ذمہ داری کس کی ہوگی؟ کسی ملک کا دستور نظری اور عملی طور پر اس کے عوام کی اکثریت کی اُمنگوں اور ضرورتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اب اگر وہ کسی فرد یا کسی ادارہ کی کسی تعبیر کو نہیں مانتی۔ تو کیا حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے ماننے پر اس کو قانوناً مجبور کرے اور مذہبی احتساب سے کام لے۔ یا اگر سنت کا کوئی متفق علیہ مفہوم متعیّن نہیں ہوتا، اور اس بارے میں اختلاف برابر رہتا ہے، تو اس صورت میں اگر "طلوع اسلام" کا یہ مطالبہ مان لیا جائے کہ قانون سازی کے لئے کتاب کے ساتھ "سنت" کی شرط محذوف کر دی جائے، کیا اس سے تمام فرقے ختم ہو جائیں گے اور مذہبی امور میں پاکستان میں خلفشار نہیں رہے گا۔ آپ یقین کریں کہ ایسے حالات میں "کتاب" یعنی خود قرآن وجہ نزاع بن جائے گا۔ اور یہ اس لئے کہ نزاعات کے، خواہ وہ مذہبی ہی کیوں نہ ہوں، اپنے اسباب ہوتے ہیں، اور ان اسباب کو ختم یا کمزور کئے بغیر یہ نزاعات کسی نہ کسی شکل میں برابر سر نکالتے رہتے ہیں۔

ہم یہاں خود صاحب "طلوع اسلام" کی مثال پیش کرتے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ قرآنی آیات کا جو وہ مفہوم پیش کرتے ہیں، بہت سے لوگوں کو اس سے شدید اختلاف ہے اور موصوف کو اپنے اس مخصوص مفہوم کے لئے قرآنی الفاظ کے نئے معانی متعیّن کرنے پڑے ہیں جو لبسا اوقات عربی زبان اور

تاریخی حقائق دونوں سے متصادم ہیں. مطلب یہ ہے کہ اگر دستور کی دفعہ میں صرف "کتاب" ہی ہوگی تو پھر مختلف گروہوں اور مکاتب خیال میں اس کی تشریح و تعبیر کے متعلق اختلافات ہوں گے۔

ایک اور مثال احناف کے دو مکاتب خیال۔ دیوبندی اور بریلوی۔ کی لیجئے. دونوں حنفی ہیں. دونوں تقلید ائمہ فقہ کے قائل ہیں۔ دونوں کے مسلّمات ایک ہیں. لیکن اس کے باوجود دونوں میں اتنا اختلاف ہے کہ کسی حنفی اور غیر حنفی میں نہیں ہوگا۔

اس میں شک نہیں جیساکہ "طلوع اسلام" نے لکھا ہے، مسلمانوں کے مختلف فرقے "سنت" کی اپنی اپنی تعبیر کرتے ہیں، لیکن بہرحال اس معاملے میں سب کا اتفاق ہے کہ سنت نام ہے رسول اللہ صلعم اور آپؐ کے صحابہ کرام کے عمل کا اہل سنت کے نزدیک! ور رسول اللہ صلعم اور ائمہ اطہار کے عمل کا اہل تشیع کے ہاں۔ اس عمل کی حدود کیا ہیں ؟ مولانا مودودی اور مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم کا اس بارے میں اختلاف اس نوعیّت کا تھا۔ اور اہل سنت اور شیعہ حضرات کا اس ضمن میں اختلاف اس عمل کی روایت اور اس کے راویوں کے بارے میں ہے۔

یقیناً اس اختلاف کو دُور ہونا چاہیئے، اور کوشش کرنی چاہیئے کہ اس بارے میں تمام مسلمان فرقوں میں جو مابہ الاتفاق امور ہیں، ان پر زیادہ زور دیا جائے اور مابہ الاختلاف مسائل کی ایسی توجیہہ ہو کہ اس سے باہمی کدورتیں ختم ہوں اور سب فرقوں میں اتحاد و اتفاق بڑھے. کیونکہ خود ان فرقوں کا مفاد اس سے وابستہ ہے، اور پوری ملّت کے مستقبل کا بھی اسی پر انحصار ہے۔

لیکن یہ کہنا کہ "سنت" کو حذف کئے بغیر یہ اختلافات ختم نہیں ہوسکتے، نہ صرف اسلام کی گزشتہ تاریخ سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، بلکہ آج کے حالات سے بھی پوری بے خبری کا مظاہرہ ہے۔ بے شک ہمارے ہاں فرقے ہیں۔ اس سے انکار کرنا عین دوپہر کو آفتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ ان فرقوں کا قرآن پر ایمان ہے، لیکن اس کی تفسیر، وہ اپنے معتقدات کے مطابق کرتے ہیں، جن کی کہ ایک طویل تاریخ ہے۔ اسی طرح وہ سنت کو مانتے ہیں لیکن اس کی روایت اور اس کی حدود ہر ایک کی جدا جدا ہیں۔ یہ کہہ دینے سے کہ فرقوں کا وجود قرآن کی نص صریح کی رُو سے شرک ہے، فرقے تاریخ اسلام میں اپنی گہری جڑوں کے ساتھ محو نہیں ہوسکتے۔ وہ صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ آئندہ بھی کسی نہ کسی

صورت میں رہیں گے۔ اس حقیقت واقعی کا انکار اپنے آپ کو فریب دینا ہے۔ آج ضرورت ان فرقوں کو باہم قریب کرنے اور اس کثرت کو ملّت کی وحدت کے تحت جمع کرنے کی ہے! اور یہ مقصد دستور میں صرف کتاب کے اثبات اور "سنت" کی نفی سے حاصل نہیں ہوگا۔ مسلمان فرقے "سنت" کو "کتاب کے ساتھ رکھ کر بھی متحد ہو سکتے ہیں اور ان میں صرف "کتاب" پر بھی مستقل نزاع رہ سکتا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ ان دو کو آپ کیسے سمجھتے ہیں۔ اور ان سے کیا کام لیتے ہیں۔

کتاب کے ساتھ "سنت" کے لزوم کے متعلق ہم یہاں ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔ قانون سازی کے سلسلے میں ہمارے ہاں علماء کے بعض طبقوں کی طرف سے جو دخل اندازی ہوتی رہتی ہے، میرے نزدیک اس کا یہ حل نہیں کہ اس امر کا اعلان کر دیا جائے کہ مملکت کا کوئی قانون کتاب و سنت کے بجائے صرف کتاب کے خلاف نہیں ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کے متن پر سب کا اتفاق ہے اور سنت کے مواد بلکہ خود سنت سے کیا مراد ہے، اس بارے میں وسیع اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کہہ دینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے تو یہ ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صلعم کی تیئس سالہ جدوجہد قرآن سے پوری طرح مربوط ہے۔ آخر قرآن کا نزول کوئی خلا میں تو نہیں ہوا۔ وہ آپؐ کی طویل جدوجہد کے دوران برابر آپؐ کی رہنمائی کرتا رہا۔ اس لئے ایک کو دوسرے سے الگ کرنا نہ صرف ناممکن ہے بلکہ یہ غیر مستحسن بھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس پس منظر کو سامنے رکھے بغیر، جس میں کہ رسول اللہ صلعم مصروف عمل رہے، اکیلے قرآن کا مطالعہ ناقابل فہم رہتا ہے۔ چنانچہ ان معنوں میں آپؐ کا عمل اُتنی ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر کہ قرآنی احکام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل ہے، جسے سنت یا آپؐ کا اسوۂ حسنہ سمجھنا چاہیئے۔ اسی کی روشنی میں ہم قرآن سمجھ سکتے اور اپنی روزمرہ کی زندگی نیز قانون سازی کے لئے اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

کم وبیش انہی الفاظ میں مولانا عبیداللہ سندھی نے قرآن کے ساتھ ساتھ سنت کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ قرآن ہی حقیقت میں اصل دین ہے۔ لیکن قرآن نے بعض چیزوں کا حکم دیا ہے۔ اور بعض کے کرنے سے منع کیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ قرآن کے ان احکام پر عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے زمانے میں کیسے کیسے عمل کیا گیا۔ مولانا کے نزدیک اس زمانے میں قرآن پر جس طرح عمل کیا گیا، اس کی تفصیلات ہمیں مؤطا امام مالک میں مل جاتی ہیں۔

قانون سازی میں ہم کتاب اور سنت دونوں سے کس طرح رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اس پر بھی بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ بعض دفعہ یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن ہمیں اصول دیتا ہے، جب کہ سنت ہمیں صرف یہ بتاتی ہے کہ ایک خاص زمانے میں ان اصولوں پر کیسے عمل ہوا۔ اس لئے سنت سے قطع نظر کیا جا سکتا ہے اور سارا انحصار قرآن پر ہونا چاہیئے۔ جن معنوں میں اصولوں کا یہ ذکر ہے، اس طرح تو قرآن میں کہیں اصول نہیں ہیں۔ البتہ اس میں جگہ بہ جگہ یقیناً بعض عمومی احکام ملتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، قرآن رسول اللہ صلعم کی جدوجہد میں آپؐ کا رہنما بھی تھا اور اس جدوجہد کی شرح و تفسیر بھی۔ اس حیثیت سے قرآن کا ایک بڑا حصّہ، جو اجتماعی زندگی کی تنظیم سے متعلق ہے۔ حالات و واقعات کی ایسی صورتوں (SITUATIONS) کو موضوع تخاطب بناتا ہے، جن کا تعیّن سنّت سے ہو سکتا ہے۔ اب قرآن سے اصولوں کو اخذ کرنے کے لئے اس کے احکام کو ان سے متعلقہ احوال و کوائف کے پس منظر میں رکھنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد اس سے اصول اخذ کرنا ہوں گے۔ اگر ایک دفعہ باقاعدہ طور پر اس نہج پر کام شروع کر دیا گیا تو اس کے نتیجے میں اصولوں کا ایک مربوط مجموعہ ہمارے ہاتھ آجائے گا جنہیں ہم اپنے آج کے حالات پر منطبق کر سکیں گے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے الفاظ میں" قرآن میں کسی تیار شدہ قانون کا وجود نہیں ہے کہ اسے وہاں سے چپکے سے اٹھا کر آج کی زندگی کے ساتھ پیوند کر دیا جائے۔ اس کے لئے تو اخذ و استنباط و اختیار کا وہ طریقہ اپنانا ہوگا جس کا اوپر ذکر ہوا۔ یعنی پہلے ہر قرآنی حکم کو اس موقع و محل میں دیکھا جائے، جس میں یہ حکم صادر ہوا۔ اس کے لئے لازماً سنت کی ضرورت ہوگی۔ پھر اس حکم سے اصول اخذ کیا جائے۔ اور اس کے بعد اس اصول کا موجودہ حالات پر اطلاق ہو۔ اسی صورت میں اسلامی قانون اپنے صحیح معنوں میں ہمیں مل سکے گا۔"

اگر قرآن کو آج زندگی میں نافذ کرنا، اسے مؤثر بنانا اور اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنا ہے اور اگر اسلام خود مسلمانوں کے لئے اور باقی دنیا کے لئے خیر و برکت کا پیغام بن سکتا ہے، تو اس کے لئے ہمیں لازماً قرآن سے اسی طرح اصول اخذ کرنا ہوں گے، جو اتنے ہی عمومی ہوں گے جتنی کہ خود انسانیت۔ یہی اصول فطرۃ اللہ کے حامل ہوں گے۔ اور دوام کا حکم انھیں کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد ان اصولوں کے عملی اطلاق کا مسئلہ آتا ہے! اور اس کے لئے جہاں بڑی گہری اور وسیع نظر کی ضرورت ہے، وہاں ایسا قلب بھی چاہیئے، جس میں ہمہ گیر انسانیت کا

روح منعکس ہو۔ یہ کام الفاظ کی بازی گری سے نہیں ہو سکتا، اور یوں بھی حقیقت ہمیشہ الفاظ سے بہت پرے ہوتی ہے۔

قرآن کو اس طرح سمجھنے اور اس سے ایسے اصولوں کو اخذ کرنے کے لئے "سنت" یعنی "عمل" رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ ضروری ہے۔ اور یہ واسطہ حقیقی طور پر "سنت" کے تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اب جس طرح سنت کی بہت سی تعبیریں ہیں، اسی طرح قرآن کی مختلف تعبیروں میں بھی کوئی کمی نہیں کی گئی۔ اس انتشار فکری کا اگر آپ اسے یہ نام دینا چاہیں، مداوا وہ نہیں جو صاحب طلوع اسلام تجویز کرتے ہیں کہ اپنے انفرادی اور خالص انفرادی نقطۂ نظر کو رب العالمین کا حکم سمجھ لیں اور باقی سب کو عجمی سازش اور معلوم نہیں اور کیا کیا کہہ کر مطعون کر دیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے سب فرقوں کی "سنتوں" کی مدد سے "عمل" رسولؐ کا صحیح تعین، پھر اس "عملِ" رسولؐ کا اس عہد کے حالات و کوائف کے پس منظر میں صحیح صحیح جائزہ۔ اور اس سے عمومی اصولوں کا اخذ کرنا۔

ہمارے خیال میں عالمی اسلامی فکر اسی سمت کی طرف جا رہا ہے۔ خانہ کعبہ میں صدیوں سے چار مذاہب فقہ کے الگ الگ مصلّے چلے آتے تھے۔ عرصہ ہوا، یہ مصلّے ختم کر دیئے گئے۔ اہل سنت کے چاروں مذاہب فقہ میں دیرینہ چپقلش بلکہ منافرت چلی آتی تھی اور ایک مذہب والے دوسرے مذہب کے خلاف کتابیں لکھ لکھ کر تھکتے تھے، لیکن اب کافی دنوں سے بہت سے اسلامی ملکوں میں جو نئے قوانین مرتب ہو رہے ہیں، ان میں چاروں مذاہب فقہ سے یکساں طور پر مدد لی جاتی ہے۔ اور بتدریج یہ تمیز مٹتی جا رہی ہے کہ ان میں آپس میں کبھی منافرت بھی تھی۔ بلکہ اب تو کئی مسلمان ملکوں میں یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ نئے قوانین کے لئے مآخذ کے طور پر صرف چاروں مذاہب فقہ پر انحصار نہ کیا جائے، بلکہ دوسرے مسلمان فرقوں مثلاً اثنا عشریہ، زیدیہ، اسماعیلیہ اور اباضیہ کی فقہوں کو بھی ماخذ بنایا جائے۔

فقہ کے بعد سنت میں متفق علیہ مبادی کی تلاش ہوگی اور اگر قلب و نظر کی وسعت اور تحقیق و تنقید کا رجحان اسی طرح رہا تو مختلف "سنتوں" کی مدد سے "عملِ" رسولؐ کا صحیح تعین بھی مشکل نہیں رہے گا۔ مختلف فرقوں کا اتحاد اسی صورت میں ہوگا اور مسلمان قرآن اور رسول اللہ صلعم کی حقیقی عظمت اسی طرح پہچان سکیں گے

ہم "طلوع اسلام" کی خدمت میں یہ عرض کریں گے کہ زندگی میں نظریہ اور عمل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ مسلمان قومیں جس طرح آگے بڑھ رہی ہیں، ان کا یہ عمل ہی "سنت" کے مفہوم کا تعین کرے گا اور اسی طرح فرقوں کی باہمی منافرت ختم ہوگی۔